ایمان کے چند عملی مظاہر

شیخ یوسف القرضاوی

ترجمہ:۔ عبدالحمید صدیقی

اہل ایمان کا وصف جہاد و نفاق معاشرتی زندگی میں جو اوصافِ حمیدہ ایک انسان میں ایمان کی بدولت پیدا ہوتے ہیں اُن میں انفاق و ایثار نہایت نمایاں وصف ہے۔ فطری طور پر تو ہر انسان میں انانیت کا جذبہ موجود ہوتا ہے اور ہر کوئی ذاتی مفاد کا حریص ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جوں جوں آدمی بوڑھا ہوتا ہے اس کی حرص اور خواہشات جوان ہوتی جاتی ہیں خود خالقِ کائنات نے انسان کی اس کمزوری کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۔ اور انسان بڑا تنگ دل واقع ہوا ہے نیز یہ کہ واحضرت الانفس الشح ۔نفس تنگ دلی و بخل کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں ۔اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لو کان لابن آدم وادیان من ذهب لابتغی ثالثا ۔اگر آدم کے بیٹے کے پاس سونے سے معمور دو وادیاں موجود ہوں پھر بھی وہ کسی تیسری وادی کی تلاش میں سرگرداں ہوگا ۔ ذاتی منفعت کا یہی وہ رجحان ہے جس کے زیر اثر لوگ اپنے حقوق کو تو یاد رکھتے ہیں مگر اپنے فرائض یکسر بھلا دیتے ہیں۔ اور پھر جب بخل و حرص کی یہ ذہنیت معاشرتی زندگی میں داخل ہوتی ہے تو ایک دنیا کی دنیا نفسی نفسی پکارتی نظر آتی ہے مگر امتی امتی کہنے والا کوئی نہیں ملتا۔

اپنی ذات کو نفع پہنچانے کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ دنیا کی زندگی آرام اور سکون کے ساتھ گزرے ، دکھ درد اور تکلیف میں دوسرے مبتلا ہوں تو ہوں مگر مجھے کوئی اذیت نہ پہنچے ۔جب تحفظ ذات کا یہ جذبہ اپنی فطری حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو انسان کے اندر خود غرضی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں ترقی و عظمت خاک میں مل جاتی ہے اور مدنیت و حضارۃ پر اضمحلال طاری ہو جاتا ہے ۔

اس کے برعکس جو معاشرہ مجد و بزرگی کو فروغ دینا چاہتا ہے اور تہذیب و تمدن کی ترقی کا خواہاں ہوتا ہے اسے ایسے انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے جو دوسرے کے سکون و آرام کو اپنے سکون پر ترجیح دیں اور اس جدوجہد میں کبھی شکوہ نہ کریں بلکہ انہیں اس بات کی خوشی ہو کہ وہ دوسروں کے کام آ رہے ہیں ۔صحت مند معاشرے تو

ایسے انسانوں کی کوششوں سے معرضِ وجود میں آتے ہیں جو لینے کے بجائے دینا جانتے ہوں، جو فرض کی ادائیگی کو طلبِ حق پہ مقدم رکھتے ہوں، جنہیں مفادِ ملت میں ذلیل کے بجائے غربت گوارا ہو، جو ضرورت کے موقع پر اپنا مال و اسباب بطیبِ خاطر نچھاور کر سکتے ہوں اور جو ملک و ملت کے عمومی مفاد پہ ذاتی مصلحت کو قربان کرنے پہ ہر وقت آمادہ رہتے ہوں۔

ایسے انسان کہاں پائے جاتے ہیں؟ کس مدرسۂ فکر اور کس تربیتی ادارہ سے ایسے لوگ تیار ہو کر نکلتے ہیں؟ بخدا وہ اپنی نوعیت کا ایک ہی مدرسہ ہے جسے ہم مدرسۂ ایمان سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی مدرسہ کے فارغ اپنی خواہشاتِ نفس اور اپنی احتیاجات کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ اپنی بھوک کو مٹانے کے لیے طعام کی معمولی مقدار اور اپنے ستر کو ڈھانکنے کے لیے بقدرِ ضرورت لباس پر قناعت کر لیتے ہیں۔ یہ ایمان ہی کی تربیت ہے جو انہیں مالِ قلیل پہ راضی کر دیتی ہے اور اس مال کے بذل و انفاق کا بھی حوصلہ عطا کرتی ہے۔ وہ بلند اور پاکیزہ مقاصد کے لیے گھر بار چھوڑ دیتے ہیں اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ لیتے ہیں اور مطمئن ضمیر کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد جنت ان کے انتظار میں ہے" ورضوان من اللہ اکبر"۔

مومن اللہ کی راہ میں کسی طرح کی سعی و جہد ــــ کیا مادی و اخلاقی اور کیا نفسی و بدنی ــــ سے بھی دریغ نہیں کرتا کیونکہ از قسمِ ایثار اس کا ہر چھوٹا بڑا عمل اللہ کے ہاں اس کے حساب میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ کوئی ذرہ برابر نیکی بھی ضائع نہیں ہوتی۔ صداقت کی راہ میں اٹھنے والا ہر قدم اور بھلائی کے لیے خرچ کی جانے والی پائی پائی حتیٰ کہ بھوک، پیاس اور تکان کا ادنیٰ احساس بھی اسے اجرِ عظیم کا سزاوار بنا دیتا ہے۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ	" ایسا کبھی نہ ہو گا کہ اللہ کی راہ میں بھوک پیاس اور
أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ	جسمانی مشقت کی کوئی تکلیف وہ جھیلیں اور منکرینِ
عَن نَّفْسِهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ	حق کو جو راہ ناگوار ہے اس پر کوئی قدم وہ اٹھائیں
وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ	اور کسی دشمن سے عداوتِ حق کا کوئی انتقام
الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ	وہ لیں اور اس کے بدلے اُن کے حق میں ایک عملِ
عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝	صالح نہ لکھا جائے۔ یقیناً اللہ کے ہاں محسنوں کا
وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً	حق الخدمت مارا نہیں جاتا اسی طرح یہ بھی کبھی
وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ	نہ ہو گا کہ راہِ خدا میں تھوڑا یا بہت کوئی خرچ

اللہَ اَحْسَنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

(التوبۃ : ۱۲۰-۱۲۱)

وہ اُٹھائیں اور سعی جہاد میں اکوئی وادی وہ پار کریں اور اُن کے حساب میں اسے نہ لکھا جائے تاکہ اللہ ان کے اس اچھے کارنامے کا صلہ انہیں عطا کرے۔"

اس کے بعد یہ بات قابلِ تعجب نہیں رہتی اگر ہم دیکھیں کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ شباب و عروج میں قربانی وجہاد اور بذل وانفاق کے کیسے کیسے عظیم الشان ریکارڈ قائم کیے ہیں؟

اہل ایمان کے بذل وایثار اور سعی وجہاد کے نمونے

حضرت ابوطلحہؓ انصاری سورہ توبہ کی تلاوت کے دوران جب اس آیت پاک پر پہنچے "اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (آیت ۴۱) تو اپنے جی میں کہنے لگے خفافاً وثقالاً یعنی راہِ خدا میں جہاد کے لیے ہر حال میں نکلو۔ جوانی اور بڑھاپے میں بھی۔ فارغ البالی اور تنگ دستی میں بھی۔ اللہ نے تو کسی کا عذر نہیں سنا۔ چنانچہ اپنے بیٹوں سے کہنے لگے۔ میرے لیے سامانِ جہاد تیار کرو۔ انہوں نے کہا: ابا جان اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے رہے تاآنکہ آپؐ کا وصال ہوگیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مل کر جہاد کرتے رہے حتیٰ کہ وہ بھی وفات پاگئے بعد ازاں حضرت عمرؓ کے دوش بدوش آپ ان کے انتقال تک راہِ خدا میں لڑتے رہے تو ساری عمر آپ نے جہاد میں بسر کی ہے اب آپ رہنے دیں ہم آپ کی جگہ پر جہاد کریں گے۔ مگر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا، نہیں۔ میرے لیے سامانِ جہاد تیار کرو۔ چنانچہ انھوں نے سامانِ حرب تیار کر دیا اور جناب ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بحری مہم پر فوج کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ سمندر ہی میں آپ نے بحالت جہاد وفات پائی اور ایک جزیرے میں دفن کیے گئے۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد کے لیے اس حالت میں نکلے کہ اُن کی ایک آنکھ کی بصارت زائل ہو چکی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ آپ چونکہ علیل ہیں اس لیے گھر پر ہی رہیں مگر انھوں نے مندرجہ بالا آیت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہر حال میں شریک جہاد ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اگر میں حرب وقتال میں کوئی زیادہ کام نہ آسکا تو میری موجودگی سے مسلمانوں کی فوج کی تعداد تو زیادہ نظر آئے گی اور میں سازوسامان کی حفاظت میں معاونت کرسکوں گا۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک غزوہ میں باپ اور بیٹا دونوں بیک وقت شرکت کے لیے انتہائی آرزومند

نظر آتے تھے مگر صورت یہ تھی کہ ان دونوں میں سے ایک ہی کو شرکت کی اجازت مل سکتی تھی۔ چنانچہ اس امر کے فیصلے کے لیے قرعہ ڈالا گیا اور وہ بیٹے کے نام نکل آیا۔ باپ نے بیٹے سے حسرت بھرے انداز میں فرمایا: بیٹا مجھے اپنے آپ پر فوقیت دو۔ کیونکہ میں تمہارا باپ ہوں۔ بیٹے نے کہا: اے ابا یہ تو جنت کا معاملہ ہے۔ خدا کی قسم اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا معاملہ ہوتا تو میں یقیناً آپ کو ترجیح دیتا۔

حضرت عمرو بن الجموح انصاری بہت زیادہ لنگڑا کر چلتے تھے۔ ان کے چار جوان بیٹے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں حصہ لیتے تھے۔ غزوۂ احد کے موقع پر انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا اب کے میرے لیے بھی سامان جہاد تیار کرو۔ بیٹوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو معذور قرار دیا ہے لہذا آپ گھر پر ہی تشریف رکھیں۔ جہاد کے لیے ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں۔ جب بات بنتی نظر نہ آئی تو حضرت عمروؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ بیٹے مجھے جہاد میں حصہ لینے سے منع کرتے ہیں مگر میں بخدا یہ امید کرتا ہوں کہ شہید ہو جاؤں گا اور اسی لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا جنت میں پہنچوں گا۔ رسول پاکؐ نے یہ سن کر فرمایا: لیکن آپ پر تو جہاد فرض ہی نہیں۔ پھر آپؐ ان کے بیٹوں سے مخاطب ہوئے: اگر یہ جہاد میں شرکت کریں تو آپ کو اس پر کیا اعتراض ہے۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں شہادت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ اس کے بعد حضرت عمروؓ بن الجموح نے غزوہ میں شرکت کی اور شہادت پائی۔ انہیں کے بارے میں آپؐ نے انصار سے فرمایا تھا: اے گروہ انصار آپ میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو اللہ کی قسم کھا کر کسی کام کا عزم کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں۔ عمروؓ بن الجموح ان میں سے ایک ہیں۔

اور یہ حضرت مصعبؓ بن عمیر ہیں۔ خوشحال ترین والدین کے بیٹے، ناز و نعمت میں پلے ہوئے، ماں باپ اُن سے بے حد محبت کرتے تھے۔ انہیں بہترین کھانا کھلاتے، عمدہ لباس پہناتے، مکہ کی جس گلی سے گذر جاتے فضا معطر ہو جاتی۔ یہی وہ ناز پروردہ نوجوان تھے جنہوں نے دارِ ارقم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا اور مصائب و آلام سے دوچار ہو گئے۔ والدین اور عزیز و اقارب نے انہیں پکڑ کر قید کر دیا۔ مارا پیٹا، گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ ظالموں کے ظلم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ کا رخ کیا اور بہت کچھ تنگی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ غزوۂ احد میں شرکت کی اور شہادت کی دولت سے ہمکنار ہوئے۔ بے سرو سامانی اور کسمپرسی کا یہ عالم تھا کہ کفن کے لیے دو گز کپڑا میسر نہیں آ رہا تھا۔ ایک ناتمام سی چادر تھی جس سے سر

امام قرطبی نے یہ سارے واقعات اپنی تفسیر میں خفافاً وثقالاً کے تحت درج کیے ہیں۔

ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور پاؤں ڈھانپنے کی کوشش کی جاتی تو سر کھلا رہ جاتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کا یہ منظر آیا تو آپؐ بے اختیار رو دیئے۔ اشکبار آنکھوں کے ساتھ آپ نے فرمایا: اے مصعب میں نے تمہیں مکہ میں دیکھا تھا جب تم سے زیادہ ثمین و رقیق لباس کسی کا نہ ہوتا تھا جب تمہارے سر کے بال عطر میں بسے ہوئے ایک شانِ حسن و جمال لیے ہوئے ہوتے تھے مگر اب تم ایک کھردری چادر کے نیچے پراگندہ بال پڑے ہو۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝
(الاحزاب: ۲۳)

ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

غور فرمائیے عیش و عشرت کی وہ زندگی تج کر ان پر صعوبت حالات کو قبول کر لینا کتنا بڑا ایثار تھا۔ کتنی عظیم الشان قربانی تھی۔ اسلام کے اولین داعی اگر ایسی قربانیاں دینے سے گریز کرتے تو حق و صداقت کی آواز چار دانگِ عالم میں کبھی نہ پھیلتی۔ اور اجتماع و معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لیے اہلِ حق کو ایسی قربانیاں دینے کے قابل کس چیز نے بنایا تھا؟ ایمان اور صرف ایمان نے۔

اس کے بعد بذل و انفاقِ مال کا ایک واقعہ سنیئے۔ حضرت زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۔ تو حضرت ابوالدحداحؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتے ہیں حالانکہ وہ ذات قرض سے بے نیاز ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ ہی قرض مانگتے ہیں تاکہ اس کے بدلے میں وہ تمہیں جنت میں داخل کر دے۔ انہوں نے عرض کی تو میں اپنے پروردگار کو قرض دیتا ہوں کیا وہ مجھے اور میری بچی دحداحہ کو دخولِ جنت کی ضمانت دیتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابوالدحداح نے کہا..... تو لائیے اپنا دستِ مبارک آگے کیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو اسے پکڑ کر کہنے لگے: دو باغ میری ملکیت ہیں ایک مدینہ کے زیریں علاقہ میں اور دوسرا بالائی حصے میں۔ ان دو باغوں کے علاوہ بخدا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں۔ میں یہ دونوں باغ اللہ کو قرض دیتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان میں سے ایک راہِ خدا میں دے دو اور

دوسرا اپنی اور اپنے اہل و عیال کی گزر اوقات کے لیے رکھ لو۔ اِس پر حضرت ابوالدحداح نے کہا تو پھر یارسول اللہ ان میں سے جو بہتر ہے وہ اللہ کی راہ میں دیتا ہوں آپ گواہ رہیں۔ اس باغ میں چھ سو کھجور کے درخت ہیں" رسولِ پاک نے فرمایا: اس بذل و انفاق کے بدلے میں اللہ تعالیٰ آپ کو جنت دے گا۔ ابوالدحداح یہ کہہ کر چل دیے اور باغ میں پہنچے جہاں ام الدحداح اپنے بچوں کے ہمراہ کھجور کے درختوں میں گھوم پھر رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر حضرت ابوالدحداح پکار اُٹھے ؂

اقرضته الله علی اعتمادی بالطوع لامنٍّ ولا ارتداد

الا رجاء الضعف فی المعاد فارتحلی بالنفس والاولاد

والبرّ لا شكَّ فخیرُ زاد قدمه المرءُ الی المعاد

(ترجمہ) میں نے یہ باغ اللہ کو بطورِ قرض خوش دل سے دے دیا ہے نہ کوئی احسان کیا ہے اور نہ واپس لینے کی خواہش رکھتا ہوں بس نے اس اعتماد اور اس امید کے ساتھ یہ قرض دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں مجھے اس سے کئی گنا زیادہ عطا کریں گے۔ لہٰذا تو بال بچوں کو لے کر اس باغ سے نکل جا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہی نیکی بہترین زادِ راہ ہے جسے آدمی آخرت میں اجر پانے کی غرض سے کرے۔

ام الدحداح یہ سنتے ہی خاوند کی تحسین و تبشیر کرتے ہوئے بچوں کو لے کر باغ سے نکل گئی اور بچوں کے جیب و دامن میں جو کھجوریں تھیں اور جو اُن کے منہ میں تھیں سب نکلوا کر وہیں ڈھیر کر دیں ـــ تاریخِ اسلام اس طرح کے نمونوں سے بھری پڑی ہے۔ سعی و جہد، قربانی و ایثار اور بذل و انفاق کے عظیم نمونوں سے ـــ جو محض ایمان کی بدولت عالمِ وجود میں آتے ہیں۔

ایمان اور جذبۂ رحمت ایمان کے زیرِ اثر جو اجتماعی اخلاق نشو و نما پاتے ہیں ان میں سے ایک نمایاں اور ممتاز خلق رحمت و کرم کا جذبہ ہے۔ کسی کمزور کو دیکھ کر دل میں رقت کا پیدا ہو جانا، کسی کو غمگین و حزیں پا کر تڑپ اٹھنا، کسی غریب و مسکین سے محبت و شفقت سے پیش آنا اور کسی پریشان حال کی طرف دستِ تعاون بڑھانا اسی جذبۂ ترحم کی بدولت ممکن ہوتا ہے۔ یہی جذبہ انسان کو ایذاء رسانی سے دور رکھتا ہے جرم و گناہ سے نفرت دلاتا ہے اور اسے ایک مصدرِ خیر و صلاح اور مرکزِ امن و سلامتی بنا کر پیش کرتا ہے۔ ایک مومن کے اندر خاص طور پر یہ جذبہ اس لیے ظہور و نفوذ کرتا ہے کہ اللہ پر ایمان لا کر وہ اخلاق اللہ سے متخلق ہونا چاہتا ہے اور رحم، اخلاق اللہ میں

سب سے نمایاں اور غالب خلق ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ۔ اور میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ کے رحمان و رحیم ہونے کا تذکرہ جگہ جگہ ملتا ہے۔ قرآن کی ایک سو تیرہ سورتوں کا تو آغاز ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے۔ ان سُور میں اللہ کی رحمت کا بیان اس پر مستزاد ہے۔ پھر ہر نمازی فرض رکعتوں میں ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کے مذکورہ اسمائے حسنیٰ کو چونتیس (۳۴) مرتبہ زبان سے ادا کرتا ہے۔ سنن و نوافل کی ادائیگی کی صورت میں یہ تعداد دگنی چوگنی ہو جاتی ہے۔ ان کو بار بار زبان سے ادا کرکے، امام غزالیؒ کی تصریح کے مطابق ــــ مومن کے اندر یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہر محتاج کی رفعِ احتیاج کے لیے مقدور بھر کوشش کرلے۔ اپنے محلے یا شہر کے کسی غریب اور مسکین کو دیکھے تو اس کی غربت و مسکنت کو دور کیے بغیر نہ چھوڑے یا خود مال دے کر کرے یا کسی سے مال دلائے یا کسی کے پاس جاکر اس کے لیے سفارش کرے اور اگر کچھ بھی نہ کرسکتا ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کرے کہ باری تعالیٰ اپنے اس بندے کے حال پر رحم فرما۔ مقصودِ کلام یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کے اِس کثیر تذکرے سے اللہ پر ایمان رکھنے والا ہر شخص بہت کچھ اخذ و استفادہ کرتا ہے اور آگے چل کر مخلوقِ خدا اس کے جذباتِ رحم و لطف سے بیش از بیش فیضیاب ہوتی ہے۔

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ مومن جو اللہ کی رحمت کا ہمیشہ محتاج اور طلبگار رہتا ہے اور جس کی دنیوی فوز و فلاح اور اخروی نجات و مغفرت کا تمام تر دار و مدار رحمتِ حق پر ہی ہے، اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سزاوار صرف وہی بندہ ہوتا ہے جو مخلوقِ خدا پر مہربان ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء ۔ بے شک اللہ تعالیٰ رحیم و شفیق بندوں پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔ نیز یہ کہ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء ۔ تم ساکنانِ ارض کے ساتھ رحمت کا برتاؤ کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ ان تعلیمات کے پیشِ نظر مومن کا رحم و شفقت کا برتاؤ صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ حیوانات اور نباتات سب اس کے جذبۂ رحم سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنی بکری کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹے لیے جا رہا تھا تاکہ ذبح کرے آپ نے فرمایا ویلک قدھا الی الموت قودا جمیلاً ۔ تجھ پر افسوس ہے اسے مذبح کی طرف لے جا رہے ہو تو بھلے طریقے سے لے جاؤ۔

فتحِ مصر کے دوران حضرت عمروؓ بن العاص کے خیمے پر ایک کبوتری نے آشیانہ بنا لیا۔ آنجناب نے جب کوچ کا ارادہ کیا تو اس خیال سے کہ کبوتری کا گھونسلا نہ ٹوٹ جائے خیمہ کو طے کرکے ساتھ لے جانا مناسب نہ

سمجھا اور اپنی جگہ پر ہی قائم رہنے دیا۔ بعد ازاں اسی خیمہ کے ارد گرد آبادی شروع ہو گئی اور ایک شہر تعمیر ہو گیا جس کا نام "الفسطاط" تھا۔

خلیفہ راشد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے بلا ضرورت گھوڑوں کو ایڑ لگانے سے حکماً روک دیا تھا۔ نیز آپ نے شاہراہوں کے ناظم کو لکھا "کہ جانوروں کو بھاری بھر کم لگام نہ ڈالی جائے علاوہ ازیں چابک کے نچلے حصہ میں لوہا نہ لگایا جائے"۔ اسی طرح والیٔ مصر کو آپ نے لکھا "مجھے اطلاع ملی ہے کہ باربرداری کے اونٹوں پر ایک ایک ہزار رطل بوجھ لاد دیا جاتا ہے۔ میرا یہ مکتوب موصول ہوتے ہی آئندہ کے لیے کسی اونٹ پر چھ سو رطل سے زائد بار نہ لادا جائے۔

اور یہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ ہیں جیشِ اسامہ کی روانگی کے وقت حضرت اسامہ کو نصیحت کرتے ہیں "دیکھنا کسی عورت کو قتل نہ کرنا کسی بوڑھے اور بچے کو نہ مارنا، کھجور کا درخت ہو یا کوئی اور پھل دار درخت اسے کاٹنے سے احتراز کرنا نیز اگر کچھ لوگ عبادت گاہوں میں مصروفِ عبادت پاؤ تو انہیں بھی کچھ نہ کہنا۔ جب تک وہ تمہارے قتل کے درپے نہ ہوں"۔

اجتماعی زندگی میں مسلمانوں کی رحمدلی کے یہ نمونے ہیں جن کی تربیت اور نشوونما کا تمام تر سہرا ایمان کے سر ہے۔

اسلامی معاشرہ میں آثارِ رحمت و شفقت ایمان دلوں میں رحمت و مودت کا جو بیج بوتا ہے اس کے نتیجے میں اہل ایمان ایسے امور خیر انجام دیتے ہیں جو ان کی زندگی میں بھی خلقِ خدا کو نفع بخشتے ہیں اور ان کی موت کے بعد بھی فیض رسانی کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ وہ ہسپتال اور شفا خانے تعمیر کرتے ہیں، سکول اور کالج بناتے ہیں، دارالامان اور یتیم خانوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ غریب، مسکین اور یتیم بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرتے ہیں اور ان کی دیگر احتیاجات کو بھی پورا کرتے ہیں۔ مساجد اور سرائیں تعمیر کراتے ہیں اور پل اور تالاب بنواتے ہیں اسی طرح بھوکوں کو کھانا کھلانا، پیاسوں کو پانی مہیا کرنا، ننگوں کو لباس پہنانا، بیماروں کا علاج کرانا، لاوارث میتوں کو سپردِ خاک کرنا اور محروم لوگوں کی مالی اعانت کرنا بھی ان کے دلپسند مشاغل ہوتے ہیں۔ بعض اہلِ ثروت مدارس و مساجد کے نام بڑی بڑی جاگیریں اور جائیدادیں وقف کر دیتے ہیں جو مدتِ مدید تک ان اداروں کے لیے مضبوط سہارا ثابت ہوتی ہیں۔ یہ آثارِ رحمت اسلامی معاشرہ میں قدم قدم پر دکھائی دیتے ہیں۔

مادہ پرستوں کی قساوت قلبی خدا پرستوں کے جذباتِ رحم و تلطف کا حال آپ پڑھ چکے اب ایک نظر مادہ پرستوں کی درندگی و قساوت قلبی کا بھی جائزہ لیتے جائیے۔ معروف صحافی علی امین لکھتا ہے "لینن کی موت کے بعد اشتراکی پارٹی کی گورننگ باڈی نے بالاتفاق سٹالن کو سربراہ منتخب کیا اور سٹالن نے اس گورننگ باڈی کے تمام ممبران کو قتل کروا دیا اور لینن کے تمام وزراء کو بھی تہمت خیانت سے متہم کرتے ہوئے ہلاک کر دیا۔ مزدور یونین جو اسے مبارکباد دینے کے لیے جمع ہوئی تھیں ان کے ۸۰٪ سیکرٹریوں کو تہ تیغ کر دیا ۱۹۳۶ء کی دستور کمیٹی کے ۲۷ میں سے ۱۵ ممبران کو مروا ڈالا۔ کمیونسٹ پارٹی کے ترپن ۵۳ میں سے تینتالیس ۴۳ سیکرٹریوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ سوویٹ روس کی مجلس دفاع کے اسّی میں سے ستر ممبران کو ہلاک کر دیا۔ سرخ فوج کے پانچ میں سے تین مارشلوں کو قتل کر دیا۔ ۱۹۳۶ء میں مجلس وزراء کے گیارہ میں سے نو ارکان کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور سرخ فوج کے ۷۰٪ کمانڈروں کو اور تیس ۳۰ ہزار سرکاری ملازمین کو ہلاک کر دیا"

یہ قتل و غارت گری اشتراکی نظام کا جزو لاینفک ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ روس کے کارفرما خدا اور اس کی تعلیمات کے منکر ہیں وہ تعلیمات جو انسان کو انسانیت کا درس دیتی ہیں اور اسے مکارمِ اخلاق سے آراستہ کرتی ہیں۔ ظلم و سفاکی کی ان مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذبۂ ترحم ملاحظہ فرمائیں۔ سبائیوں نے جس وقت خلیفہ راشد کے مکان کا محاصرہ کیا تو اس وقت آپ کے پاس بعض ایسے جاں نثار موجود تھے جو اُن باغیوں کو تہ تیغ کر دینے کا مصمم ارادہ رکھتے تھے مگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہتے ہوئے ان کے ہاتھ روک دیے کہ اگر ایک مرتبہ تلوار نیام سے باہر آ گئی تو پھر خون ریزی کا بند کرنا مشکل ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کو خطرے میں گھرا ہوا دیکھ کر تلوار سونت لی اور سبائیوں پر حملہ کرنے کی غرض سے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر حضرت عثمانؓ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔ اسی طرح حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی انصار کی جمعیت کے ساتھ خلیفہ راشد کے حضور میں باغیوں کو تہس نہس کرنے کی پیشکش کی مگر انہوں نے اس مسلح سرکوبی کے عواقب کو سامنے رکھتے ہوئے صاف انکار کر دیا۔

حضرت عامر بن ربیعہ کا ارشاد ہے کہ وہ سبائیوں کی یلغار کے وقت حضرت عثمان کے پاس موجود تھے۔ مگر انہوں نے ہمیں ان الفاظ کے ساتھ محاصرہ کرنے والوں پر حملہ کرنے سے منع فرمایا۔

یاد رکھو کہ تم میں سے جو کوئی اس حقیقت کو جانتا ہے کہ اس پر میری اطاعت لازم ہے۔ اسے مسلمانوں کے خلاف اسلحہ اٹھانے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اپنے اس طرز عمل پر نظر ثانی کے لیے کہا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

کسی مسلمان کا خون صرف تین صورتوں ہی میں مباح ہو سکتا ہے۔ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے کی صورت میں۔ قتلِ ناحق اور شادی شدہ شخص کے زنا کرنے کی صورت میں۔

پھر انہوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ بتاؤ کہ میں ان تینوں میں سے کس بنیاد پر تمہیں لوگوں کا خون بہانے کی اجازت دوں۔

ایمان کے محسوس نتائج بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دین و ایمان مجرد عقائد کا نام ہے جو انسان کو زندگی کی حرکت اور حرارت سے محروم رکھتے ہیں۔ اس کی خواہش و محبتِ دنیا کو مٹا دیتے ہیں اور اس کے اندر عمل اور جد و جہد کے لیے کوئی رغبت باقی نہیں رہنے دیتے۔ ایمان کے بارے میں یہ مغالطہ جہالت کا پیدا کردہ ہے کیونکہ حقیقتِ ایمان محض ایک ذہنی اور تصدیق قلبی کا نام ہی نہیں بلکہ عمل اور جد و جہد سے بھی عبارت ہے۔ عمل، ایمانِ کامل کا جزو لاینفک ہے۔ عمل دنیوی کامیابی اور اخروی سعادت کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝	اور یہ وہ جنت ہے جس کا وارث تمہیں بنایا گیا ہے اس لیے کہ تم عمل کرتے تھے۔
فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝	کسی جان کو معلوم نہیں، آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والے جو سامان ان کے لیے پوشیدہ رکھے گئے ہیں یہ بدلہ ہے اس کا جو وہ عمل کرتے تھے۔

یہ تو تھا اخروی سعادت کا عمل پر موقوف ہونا۔ جہاں تک دنیوی کامیابی کا تعلق ہے وہ بھی عمل ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ تعلیماتِ اسلام میں محنت مزدوری اور ہاتھ سے کام کرنے کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے وہ کس چیز کی غماز ہے؟ تجارت اور کاروبار کے جو اصول وضع کیے گئے ہیں اور شرکت و مضاربت اور لین دین کی جو صورتیں متعین کی گئی ہیں وہ آخر کن لوگوں کے لیے ہیں؟ کیا ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنے والوں کے لیے؟ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد و قتال یہ سب امور جو ایک مسلمان کی دنیوی کامرانی کے ضامن ہیں کیا عمل کے بغیر انجام پا سکتے ہیں۔ حکومت و سلطنت کے فرائض، امن و امان کا قیام، عمال و ولاۃ کا عزل و نصب،

قضاۃ کا تقرر اور پولیس اور فوج کی تشکیل یہ سارے کام عمل اور مسلسل عمل ہی کا تو تقاضا کرتے ہیں۔ مقصودِ کلام یہ ہے کہ ایمان نہ صرف یہ کہ انسان کو ہر وقت چاق و چوبند اور مستعد رکھتا ہے بلکہ وہ اس کی سعی و عمل کو صحیح سمت میں لگا کر اسے عبادت کا درجہ دیتا ہے جس سے آدمی نہ جی چراتا ہے اور نہ تھکتا ہے اور عبادت کا پاکیزہ محرک اسے ہر آن ایک ولولۂ تازہ سے سرشار رکھتا ہے۔

مومن، خوفِ خدا کے زیرِ اثر کام کو اچھی طرح انجام دیتا ہے

مومن جس کام میں بھی ہاتھ ڈالے اسے بے دلی سے کبھی نہیں کرتا بلکہ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ممکن حد تک مفوضہ ذمہ داری سے بطریقِ احسن عہدہ برآ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام کارندے تو اپنے آپ کو صرف اپنے مالک کے سامنے ہی جواب دہ سمجھتے ہیں مگر مومن اپنے مالک کے ساتھ ساتھ اپنے آقائے حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے روبرو بھی خود کو مواخذہ و محاسبہ کے لیے تیار رکھتا ہے بنا بریں وہ کسی قیمت پر بھی خیانت و بدعہدی کا مرتکب نہیں ہوتا اور نہ ادائے فرض میں دانستہ کوئی کوتاہی کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان اللہ یحب اذا عمل احدکم عملا ان یتقنہ" تحقیق اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں کہ تم میں سے جب کوئی شخص کسی کام کو کرے تو اسے خوب اچھی طرح کرے۔

ادائے فرض میں استقامت

لوگ کھیل تماشوں میں اپنے اوقات کا بیشتر حصہ ضائع کر دیتے ہیں۔ حرام اور ناجائز امور میں منہمک رہتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں اور رات گئے تک گپیں ہانکتے رہتے ہیں۔ غرض خواہشاتِ نفس کے ہاتھ میں اپنی زندگی کی باگ ڈور دے دینے سے لوگ ادائے فرض میں کبھی استقامت نہیں دکھاتے۔ اور نہیں دکھا سکتے کیونکہ وہ اپنی جسمانی و عقلی قوتوں کو بے جا استعمال کر کے اس قابل نہیں رہتے کہ اپنے روزمرہ کے مشاغل حسن و خوبی سے انجام دے سکیں ایک مثال عرض ہے۔ اخبارات میں آچکا ہے کہ امریکہ میں سات کروڑ بیس لاکھ افراد نشہ کرتے ہیں جن میں سے دو کروڑ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب ہو کر ہر سال حکومت کو کھربوں ڈالر کا نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ نتیجہ صرف شراب کی لت کا ہے۔ ایسے ہی دوسرے بے ہودہ مشاغل میں انہماک بحیثیت مجموعی قومی و معاشرتی سطح پر جس نقصانِ عظیم کا موجب بن سکتا ہے اس کا اندازہ مشکل نہیں۔

اس کے برعکس مومن اپنے اوقات کی قدر و قیمت کا خوب احساس رکھتا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جہاں اس سے اور سوالات کریں گے وہاں ایک سوال یہ بھی ہو گا کہ تو نے اپنی عمر کن کاموں میں کھپائی اور اپنا عہدِ شباب کیسے گزارا؟ بنا بریں ایماندار اپنے وقت کو ضائع کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس

کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ آج کا کام آج ہی ختم کرے نیز آج کی کارکردگی گزرے والے کل سے بہتر ہو۔ علاوہ ازیں وہ صرف ان کاموں میں ہی دلچسپی نہیں لیتا جن کا فائدہ جلد حاصل ہوتا نظر آتا ہو بلکہ وہ ایسے امورِ خیر بھی انجام دیتا ہے جن کی نفع بخشی و فیض رسانی کا سلسلہ اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ رسول پاکؐ کے مشہور صحابی عمر کے آخری حصے میں اخروٹ کا ایک درخت لگا رہے تھے ایک آدمی نے دیکھا تو کہنے لگا آپ یہ پودا لگا رہے ہیں دراں حالیکہ آپ بہت بوڑھے ہیں اور یہ درخت تو اتنے اور اتنے سالوں کے بعد جا کر پھل دیا کرتا ہے۔" حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا "میرا کیا نقصان ہے اگر اس کا ثواب مجھے مل جائے اور اس کا پھل میرے علاوہ کسی اور کو حاصل ہو۔"

مومن خدا کی زمین کو آباد کرتا ہے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مومن نکیٔے کے درویش یا غاروں اور کھوہوں میں بیٹھ رہنے والے لوگ ہوتے ہیں جنہیں معاملاتِ زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا حالانکہ یہ ترا مفروضہ ہے اور بالکل غلط ہے۔ اگرچہ بعض مذاہب میں ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن کو عبادت کے لیے مخصوص کر لیا گیا ہے لیکن اسلام ایسی کسی تخصیص کا قائل نہیں جمعہ کا دن جس کی بلحاظِ عبادت اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ بھی سارے کا سارا عبادت کے لیے وقف نہیں کیا گیا بلکہ نمازِ جمعہ ادا کرنے کے بعد حکم ہے:

فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ. زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی زمین کو آباد اور خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں اور نہیں پسند کرتے کہ لوگ گیان دھیان میں کچھ اس طرح مستغرق ہو جائیں کہ انہیں دنیا و ما فیہا سے کوئی واسطہ نہ رہے اور ہاتھ توڑ کر بیٹھے رہیں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ کچھ لوگ نمازِ جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد مسجد کے ایک کونے میں سر چھپائے بیٹھے ہیں آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا: نحن المتوکلون علی اللہ: ہم اللہ پر توکل کرنے والے لوگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے مشہور دُرہ کو حرکت دی اور انہیں ڈانتے ہوئے فرمایا خبردار اگر تم میں سے کسی نے طلب رزق سے کنارہ کشی اختیار کی اور اللہ سے دعا کرنے لگا کہ یا اللہ مجھے بیٹھے بٹھائے ہی رزق دے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ آسمان سے سونے اور چاندی کی بارش نہیں ہوا کرتی۔ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم یاد نہیں کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

عبادت کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی سعی۔ عمل اور جد و جہد سے دستکش ہو جائے اور نہ ایمان بالآخرۃ کا ہی یہ مفہوم ہے کہ دنیا اور اس کے معاملات سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ

زراعت پیشہ تھے، تاجر تھے، کاریگر اور ہنر مند تھے۔ ان میں سے کسی کو بھی ہم توکل و قناعت کے اس مفہوم پر عمل پیرا نہیں دیکھتے کہ کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ میاں خود بخود دیں گے۔ انہوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو پلے باندھ رکھا تھا کہ اگر قیامت برپا ہو جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کی شاخ ہو تو اسے اگر زمین میں گاڑ سکو تو ضرور گاڑ دو۔ غور فرمائیے رسولِ پاک نے کس کس طرح اپنے صحابہ میں زندگی کی حرارت اور حرکت پیدا کی اور حرکت بھی وہ جس سے بظاہر انتفاع کی کوئی امید نہ ہو۔

توکل کا صحیح مفہوم بعض لوگ توکل کا مطلب ترکِ اسباب لیتے ہیں جو کسی طرح بھی درست نہیں۔ توکل کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنی سی پوری کوشش کرے اور ممکن حد تک ذرائع و وسائل کو استعمال کرنے کے بعد نتائج کے لیے اللہ تعالیٰ پر انحصار کرے اور یہ نہ سمجھے کہ میری کوشش ہی مطلوبہ نتائج کی ضامن ہے۔ جیسا کہ اعرابی والے واقعہ سے سمجھ میں آتا ہے اس نے مسجد کے دروازہ پر اپنا اونٹ کھلا چھوڑ دیا اور گمان کیا کہ یہ توکل ہے۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعقلھا وتوکل اسے رسی سے باندھ پھر اللہ پر توکل کر۔ بعض لوگ اس حدیث سے ترکِ اسباب کا نتیجہ اخذ کرتے ہیں "اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا کہ توکل کا حق ہے تو اللہ تمہیں بھی اُسی طرح رزق دے جس طرح پرندوں کو دیتا ہے وہ صبحدم خالی پیٹ اپنے آشیانوں سے نکل جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں" لیکن اگر معمولی غور و فکر سے کام لیا جائے تو صورت اس کے برعکس نظر آتی ہے۔ پرندے آشیانوں سے نکلتے ہیں تو پھر ان کی شکم سیری کا بندوبست ہوتا ہے۔ آشیانوں میں بیٹھے بیٹھے تو ان کے پیٹ نہیں بھر جاتے۔ ترکِ اسباب کا اثبات اِس حدیث سے اُس صورت میں ہو سکتا تھا اگر رسولِ پاک یہ فرماتے کہ پرندے صبح دم خالی پیٹ اپنے آشیانوں میں ہی بیٹھے رہتے ہیں اور سیر ہو جاتے ہیں۔